سمسٹر: بہار ۲۰۲۰ء

کورس: علم التعلیم　　　　کورس کوڈ: ۴۱۹

سطح: بی۔اے　　　　مشق نمبر: ۱

سوال نمبر ۱: **علم کی نوعیت واہمیت بیان کریں۔**

جواب: **علم کی نوعیت واہمیت:**

علم کی نوعیت:

علم فطرتاً اس قدر وسیع اور جامع الحیثیات واقع ہوا ہے کہ اسلامی حکما مثلاً غزالی اور فخر الدین رازی نے اس کی تعریف سے احتراز کیا ہے اور تعریف کی بجائے اس کے خصائص، امثال اور تجزیہ کی دعوت دی ہے۔ بہر حال علم کی یہی بات آج جدید ماہرین علم کہہ رہے ہیں۔ علم عطیہ الٰہی ہے اور خبر وآگہی اس کا تحفہ ہے جو علم قلم سے نکل گیا وہ بہر صورت علم ہی ٹھہرا علم بالقلم ہاں اس کی افادیت میں کلام ہو سکتا ہے علم اللہ کا نور ہے جس کی ایک تجلی عقل ہے اور بھی کئی تجلیات ہیں جیسے کشف ووجدان اور روحی والہام جو علم یقینی اور قطعی ہے وہ الہامی علم ہے اور یہی برتر علم ہے اور دوسرا علم کسبی ہے جس کی کئی صورتیں ہیں حسی، عقلی، بدیہی اور سماعی اور یہ سب برحق ہیں مگر انہیں قطعیت کا درجہ حاصل نہیں۔ انہیں ظنی علوم کہا جاتا ہے سائنس بھی گمان غالب کا درجہ میں آتا ہے۔ اسلام کے نزدیک ہر علم، علم ہے۔ بحیثیت علم اس کی حیثیت مسلم ہے البتہ اس کے برتر وکم تر، مفید ورساں ہونے میں کلام ہو سکتا ہے۔ سحر وطلسمات یقیناً علوم ہیں مگر شریعت اسلامی نے ان کی مضرت کے پیش نظر انہیں حرام قرار دیا ہے۔ حجۃ الاسلام غزالی اور علامہ ابن خلدون نے اس موضوع پر مفصل بحث کی ہے۔ اسی طرح اسلام علوم کی درجہ بندی کا قائل ہے بعض علوم فرض عین اور بعض فرض کفایہ ہیں بعض مقصدی علوم ہیں اور بعض آلاتی۔ اسی طرح بعض یقینی علوم ہیں اور بعض ظنی۔ طبیعات نہایت مفید علم ہے مگر جب وہ فطرت کو فاطر کا درجہ دے دیتا ہے اور حقیقی فاطر کا انکار کر دیتا ہے تو قرآن پوائنٹ آف آرڈر کر دیتا ہے۔ اقتصادیات کا علم بڑا مبارک علم ہے مگر جب وہ فی سبیل اللہ خرچ کو غیر اقتصادی قرار دے اور سود کو بار آور معاشی کہہ دے تو اسلام کا خون کھولنے لگتا ہے گویا در بے حلال علوم کا صرف وہی حصہ مردود ہے جو اسلام کی واضح تعلیمات سے ٹکرا جائے۔ باقی سب کچھ جائز بلکہ انتہائی ضروری ہے اور وہ اسی طرح مقدس اور لائق احترام ہے جس طرح دینی علم۔ دنیوی علم کی حیثیت تمام تر ترقیوں کے باوجود محض ظنی ہے یقین اور حتمی یقین کا درجہ اس کے نصیبوں میں نہیں۔ قرآن اصولی طور پر یقین کو ظن پر ترجیح دیتا ہے گمان کبھی بھی حق کا بدل نہیں بن سکتا اور نہ ہی وہ حق کا کچھ بگاڑ سکتا ہے۔

علم وعلم لازم وملزوم ہیں یہ دوایسی عظیم الشان حقیقتیں ہیں جو ہمالہ سے بلند وبالا اور سمندر سے زیادہ وسیع وعمیق ہیں اسلام کے تصور علم میں عمل از خود داخل ہے علم وعمل کی تفریق کافرانہ طرز فکر ہے۔ قرآن قول وفعل کی ہم آہنگی پر زور دیتا ہے اور اس کی جدائی کو مذموم ٹھہراتا ہے۔ حضرت عثمان غنی فرمایا کرتے تھے کہ ہم اس علم سے پناہ مانگتے ہیں جس پر عمل نہ کیا جائے۔ ایک اور قابل غور بات یہ ہے کہ علم اس وقت کمال کو پہنچتا ہے جب وہ خرد افروزیوں کے ساتھ ساتھ دل سوزیوں کا بھی آئینہ دار ہو آدمی محض اصول وقوانین کا ہی علم نہ رکھتا ہو بلکہ انسانوں پر انہیں لاگو کرتے ہوئے احساسات کا بھی خیال رکھے۔ صورت حال کو نہ صرف عقلی لحاظ سے سمجھے بلکہ قلبی طور پر اس کی اندرونی سوزش میں بھی شریک ہو بہر حال مسلمان کا علم سوز دل سے ہی تکمیل پاتا ہے۔ اسی طرح خبر کے ساتھ ساتھ نظر کا بھی شوق رکھنا چاہیے محض کتابوں سے ہی علم حاصل نہیں ہوتا کسی صاحب نظر کی آنکھوں سے بھی علم کی روشنیاں پھوٹتی رہتی ہیں اور جو کچھ اس کی صحبت میں نصیب ہو جاتا ہے وہ کسی اور طریقے سے ممکن نہیں ہوتا۔ لہٰذا کسی پاکیزہ ہستی کی طرف بھی علمی تہذیب وتوسیع کے لیے رجوع کرنا چاہیے۔ خبر کا علم درماندگی ومشقت کا علم ہے جب کہ نظر کا علم جذب ومحبت اور ذاتی نمونہ کا علم ہے۔ نظر کا علم زیادہ بامعنی، شخصی اور حیات افروز ہوتا ہے۔ علم کی نوعیت کے بارے میں آخری نکتہ یہ ہے کہ علم نہ مکمل غیر جانبدار رہتا ہے اور نہ مکمل معروضی وہ وقت کے دھارے میں غسل کر کے ہی آگے پہنچتا ہے اور کسی نہ کسی تہذیب وثقافت کا رنگ لئے ہوئے ہوتا ہے۔ یورپی علم پر یورپی تہذیب کی چھاپ ہے کیونکہ وہ اسی تہذیب میں پیدا ہوتا ہے اور پروان چڑھتا ہے اور اسی کے آداب واطوار شعوری اور لاشعوری طور پر اپنا لیتا ہے لہٰذا مسلمان طالب علم پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ دیکھے کہ علم کس سمت سے آ رہا ہے اور کس نقطہ نظر اور کس رنگ کا نمائندہ ہے علمی تصور کی قدر وقیمت لگاتے وقت ایسا کرنا نہایت ضروری ہے۔

علم کی اہمیت:

تہذیب وتمدن کے چراغ علم سے روشن ہوتے ہیں اور یہی ان کی قوت وشوکت کا راز ہے یورپی تہذیب کا غلبہ واستیلا علم وفن کا مرہون منت ہے۔ اسلام نے علم کو بے پناہ اہمیت دی ہے پروفیسر محمد سلیم نے خوب لکھا ہے کہ مغرب میں تحصیل علم لازمہ حیات اور اسلام میں اساس حیات ہے قرآن میں اس کی اہمیت کا یہ حال ہے کہ لفظ علم مختلف اشتقاقی صورتوں میں 778 مرتبہ وارد ہوا ہے اور اس کی تحصیل پر انسانوں کو بار بار ابھارا گیا ہے علمی فضیلت کی بنیاد پر حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں پر برتری حاصل ہوئی اور خلافت ارضی

نشاط ایجوکیشن
0344-5515779, 03005371884,
051-2285833, 2285733

ملی ۔خودخدا تعالٰی نے اپنی توحید پر اپنی ذات اور فرشتوں کے ساتھ ساتھ منصف مزاض اہل علم کو بھی گواہ ٹھہرایا اور یہ نہایت غور طلب بات ہے ۔دراصل بندوں میں علماہی خدا کے مزاج دان ہوتے ہیں اور انہی کے دل خوف خدا سے تھرتھرا اٹھتے ہیں مگر سب علماء یکساں ہیں ان کے مختلف درجات ومراتب ہیں جن کا لحاظ رکھنا ضروری ہے ۔علم ہی حق و باطل کا معیار اور وہی ہدایت وضلالت کی کسوٹی ہے اس لیے جناب رسالت مآب کو حکم ہوا کہ جس چیز کا علم نہ ہو اس کی پیروی مت کریں گویا صحیح علم واطلاع کے بغیر قدم نہ بڑھائیے ۔قرآن کے بعد احادیث رسول مقبول ﷺ علم کی شان میں کثرت سے وارد ہوئی ہیں جن سب کا بیان ممکن ہیں چند احادیث درج ذیل ہیں ۔

۱۔ علم کا حاصل کرنا ہر مومن مرد اور عورت پر فرض ہے ۔

۲۔ ہر چیز کا کوئی نہ کوئی ستون ہوتا ہے اور اس دین (اسلام) کا ستون علم ہے ۔

۳۔ علم کی طلب عبادت ،اس کی تلاش جہاد ہے ۔

۴۔ عالم فاضل کی روشنائی شہید کے خون سے زیادہ قیمتی ہے ۔

۵۔ طلب علم کے دوران موت شہادت ہے ۔

۶۔ علم تنہائی میں مونس ،پردیس میں رفیق ،خلوت میں ندیم ،دشمن کے مقابلہ میں ہتھیار اور دوستوں میں زینت ہے ۔

۷۔ علم سے مومن کبھی سیراب نہیں ہوتا ۔

۸۔ مستحق لوگوں کو علم سکھانا اللہ کے تقرب کا ذریعہ ہے ۔

۹۔ بے علموں کو علم سکھانا صدقہ ہے ۔

۱۰۔ علماء ہی انبیاء کے وارث ہوا کرتے ہیں ۔

یہ ہیں رحمۃ اللعالمین کی علم نوازی کی تابندہ ہدایات ۔اس موضوع پر اسلامی ادب کس قدر وسیع اور فکرانگیز ہے ۔سفیان بن عینیہ سے پوچھا گیا طلب علم کی ضرورت سب سے زیادہ کس کو ہے؟ جواب تھا جو سب سے زیادہ صاحب علم ہو ۔ذرا غور کیا آپ نے اس چھوٹے سے فقرے کی بھرپور معنویت پر! خود حضور کی دعا ہوا کرتی تھی "اے خدا! میرے علم میں اضافہ فرما" اور یہ دعا علام

الغیوب کے ایما پر جاری کی گئی تھی ۔

0344-5515779, 03005371884,

سوال نمبر:۲ دوامیت کیا ہے؟ دوامیت کی فکری بنیادیں تحریر کریں ۔

جواب: **دوامیت:**

051-2285833, 2285733

دوامیت قدیم ترین اور نہایت منظم و مربوط فلسفہ تعلیم سمجھا جاتا ہے ۔یہ یورپ کے قرون وسطیٰ کی ثقافت کا پرچار ہے ۔اس لئے اس رجعت پسند شاہراہ کا علمبردار کہا گیا ہے ۔بمیلڈ دراصل عہد ماضی کے عظیم مفکرین کے اعلیٰ فکری وادبی فن پاروں سے اسے گہری عقیدت ہے ۔یہ عقیدت عالمگیر ابدی صداقتوں کی وجہ سے ہے ۔دوامیتین کے نزدیک سچائی قدیم اور غیر متغیر ہے ۔مادی دنیا غیر حقیقت ہے ۔حقیقی دنیا عالم مثال یعنی مستقل ابدی افکار کی دنیا ہے ۔یہ امثال مستقل بالذات ہیں اور مادی عالم کے تغیر سے اثر پذیر نہیں ہوتے ۔تمام امثال ازل سے مرتب صورت میں موجود ہیں اور لاتعداد ہیں ۔مادی دنیا کی چیزیں انہی کے سائے ہیں ۔انسان اپنے شعور وجدان کے ذریعے عالم امثال سے رابطہ قائم کرسکتا ہے ۔

دوامیتین کے نزدیک اچھی زندگی اعلیٰ فکری وروحانی اور اخلاقی زندگی ہے ۔اس لئے طلبہ کی ہمہ گیر نشوونما پر زور دیا جاتا ہے ۔ان کا جسم مضبوط ،ذہن روشن اور اخلاق بلند ہو ۔

دوامیت کے اجزائے ترکیبی عقلیت ،دوام ،نہایت ،حقیقت کبریٰ ،امثال اور اصول اولیہ ہیں ۔چونکہ اصول اولیہ زمان ومکان کی قید سے آزاد ہیں اس لئے ہر زمانے میں ہر جگہ ہر قوم کے لئے برابر مفید ہیں ۔افلاطون ،ہچنسز ،ایڈلر اور بینٹک Bentock اس نقطہ نظر کے چند سرکردہ شمار ہوتے ہیں ۔

دوامیت کی فکری بنیادیں:

دوامیت جن فکری بنیادوں پر قائم ہے وہ حسب ذیل ہیں ۔

(الف) حقیقت:

حقیقت نوعیت میں ذہنی اور روحانی ہے نہ کہ مادی۔مادی دنیا موجود ہے مگر حقیقت کا پر وہ ہے خود حقیقت نہیں۔اصل حقیقت مادے سے ماورا ہے اور وہی پائدار اور سچی ہے۔دراصل مادی اور روحانی دنیا دو عظیم دنیائیں ہیں جن میں روحانی کو مادی پر برتری حاصل ہے۔

ہر ظاہر کا ایک باطن ہے اور وہی حق ہے۔حقیقت کبریٰ ایک خودی بھی ہو سکتی ہے۔ممکن ہے اناؤں کا پورا معاشرہ ہو یا وہ کائناتی خودی ہو جس میں انفرادی انائیں براجمان ہوں۔بہر حال آخری حقیقت بجز خودی کچھ نہیں۔گویا شاعر کے الفاظ ہیں۔

حقیت ایک ہے ہر شے کی خاکی ہو کہ نوری ہو

لہو خورشید کا نکلے اگر ذرے کا دل چیریں

اس لئے کہا گیا ہے انسان ایک روحانی ہستی ہے۔بقول کانٹ وہ آزاد بھی ہے اور مجبور بھی۔بحیثیت روح وہ آزاد ہے اور مادی ہونے کے لحاظ سے وہ مادی دنیا کے فطری قوانین کے شکنجے میں ہے۔انسان کی روحانیت مسلم مگر مثالیت پسند ایک بات پر اتفاق نہیں کر پائے کہ جس حقیقت کبریٰ سے وہ پھوٹ نکلا ہے اس کے ساتھ اسکے تعلق کی کیا نوعیت ہے۔

افلاطون کہتا ہے روح انسانی کے تین حصے ہیں۔عقلی،جذبی اور خواہشاتی۔عقلی کا کام ہے دانش کا حصول اور یہ فلسفیوں کی قسمت ہے۔جذبی ہمت اور قوت برداشت کا مظہر ہے۔اس کے حامل سپاہی بننے کے لئے موزوں ہیں۔خواہشاتی ہر قسم کی خواہشات وتمنیات کا سر چشمہ ہے۔خیر سب سے بلند ترین خواہش ہے۔جو باقی تمام خواہشات کے لئے معیار کا کام دے سکتی ہے۔

افلاطون کا دعویٰ ہے کہ اشیاء کی حقیقت کا پتہ حواس کے ذریعہ نہیں لگایا جاسکتا۔ان کی اصل حقیقت صرف عقل واستدلال کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔لہذا سچا علم استدلالی ہے نہ کہ سائنسی وحسیاتی۔حسیات سے حاصل شدہ علم نامکمل اور غیر یقینی ہوتا ہے۔اسے محض رائے،کا نام دیا جاسکتا ہے۔سچا علم سراسر عقلی، منطقی جامع اور منظم ومربوط وحدت کا درجہ رکھتا ہے۔کل کا علم اجزاء کے علم سے برتر ہے۔فلسفیانہ علم کلیت وعمومیت کا مظہر ہے جبکہ سائنسی علم مخصوصات وجزئیات کا علم ہوتا ہے اور اچھے برے دونوں پہلو رکھتا ہے۔

(ب) علم:۔

افلاطون غیر متغیر علم کو ہی حقیقت علم شمار کرتا ہے۔اس کے حاصل کرنے کا طریقہ زیادہ تر استخراجی ہے۔ہاں استقرا سے بھی کام لیا جاتا ہے مگر موخرالذکر سابق کے تابع ہے۔لہذا سائنس فلسفہ کو لونڈی ہے۔

افلاطونی علم کی چار اقسام ہیں۔

0344-5515779, 03005371884,

(1) اولیات کا علم (فلسفہ)

(2) اولیات کی عکسیات کا علم (ریاضی)

(3) مخصوصات کا علم (سائنس)

051-2285833, 2285733

(4) مخصوصات کی عکسیات کا علم (آرٹ) یہی ترتیب نزولی ان کا درجہ متعین کرتی ہے۔

(ج) اقدار:۔

دو مثالیتین کے نزدیک اقدار صبح کی دھند نہیں کہ جلد مٹ جائیں بلکہ وہ پائیدار اور غیر متغیر ہیں۔یہ انسانوں کی وضع کردہ نہیں بلکہ کائنات کا جز ولاینفک ہیں۔ان کا منبع ماورائی حقیقت ہے۔انہیں دریافت تو کیا جاسکتا ہے مگر تخلیق نہیں کیا جاسکتا۔خیر،حسن،سچائی دائمی اقدار ہیں چاہے کوئی زمانہ ہو اور کوئی قوم سب کے لئے یکساں واجب العمل ہیں۔تلوک چند محروم گویا ابدی حقیقت کا ذکر کر رہا ہے۔جب وہ یہ گنگناتا ہے۔

لیکن یہ رشتہ چاہ کا

انسان ہو یا جانور

رکھتا ہے جادو کا اثر

اقدار کی درجہ بندی ہے۔عقلی اقدار سب سے اوپر اور اخلاقی سب سے نیچے ہیں۔اول الذکر تدریس اور موخرالذکر عادت سازی کے ذریعہ قائم ہوتی ہیں۔نظریہ بنیادی شے ہے اور عمل ثانوی حیثیت رکھتا ہے۔لہذا سوچ بچار کرنے والوں کو عملی انسانوں پر فوقیت حاصل ہے۔

تھامسیوں کے نزدیک سب سے بلند ترین قدر،وصال خداوندی ہے۔عقلیت دوسری اہم قدر ہے۔مسرت ایک اور قدر ہے مگر یہ ذمہ دارانہ مسرت ہے جو دوسروں

کے غم پر منتج نہ ہو۔اسی طرح ضبط نفس، عدل، جرأت اور آزادی قابل ذکر اقدار ہیں۔

برائی کا اپنا کوئی حقیقت وجود نہیں۔دراصل یہ نامکمل خیر ہے جو کائنات کی بدنظمی سے وجود پذیر ہو جاتی ہے۔

دوامیت کے بنیادی اصول:

دوامیت کے بنیادی اصول مندرجہ ذیل ہیں:۔

(i) فطرت انسانی کبھی نہیں بدلتی اس لئے تعلیم کو ہر جگہ ہر ایک کے لئے یکساں ہونا چاہیئے۔کہا گیا ہے فطرت انسانی کے بنیادی اجزا روح، ارادہ، عقل اور حس جمالیاتی ہمیشہ سے متغیر آرہے ہیں اور مستقبل میں بھی ایسا ہو گا لہٰذا ہر جگہ اور ہر زمانے میں فطرت انسانی کے مطابق ہی تعلیم دی جانی چاہیئے اور یہ سب جگہ یکساں ہی ہو گی۔انسان مطلوب پر نظر رکھنی چاہیئے نہ کہ شہری پر کیونکہ شہری تو مختلف ملکوں کی مناسبت سے مختلف رنگ اختیار کر جائے گا۔شہریت فرد کی وفاداریوں کو محدود کر دیتی ہے۔اور اس طرح اس کی فطرت کو بگاڑ دیتی ہے۔یکساں تعلیم کے لئے ذرا ہچنز کا استدلال ملاحظہ ہو "تعلیم سے مراد ہے تدریس، تدریس کا مطلب ہے علم، علم صداقت ہے اور صداقت ہر جگہ یکساں ہے۔لہٰذا تعلیم کو ہر جگہ یکساں ہونا چاہیئے"۔

(ii) چونکہ عقلیت انسان کا اعلیٰ ترین وصف ہے انسان کو اسے جبلی فطرت کی رہنمائی کے لئے استعمال کرنا چاہیئے۔فرد کو اپنے مقاصد کا انتخاب شعوری طور پر کرنا چاہیئے مقاصد واضح ہوں اور عقل و فکر کی نشوونما اور ترقی کے ذریعے انہیں حاصل کرنا چاہیئے۔کسی صورت میں بھی عقلی تقاضوں کو نفسیاتی عوامل یا ماحول کے تابع نہ بنایا جائے۔تعلیم و تعلم کو بچے کی ذاتی خواہشات پر فوقیت حاصل ہے لہٰذا علم کے حصول میں بچے کی پسند یا ناپسند کوئی وزن نہیں رکھتی۔

(iii) ابدی صداقت کا علم دینا تعلیم کا اہم فریضہ ہے۔عارضی علم اتنا قیمتی نہیں جتنا کہ ابدی علم، ابدی حقائق "عظیم کتب" میں محفوظ ہیں۔تعلیم کو ابدی حقائق پر تمام تر توجہ دینی چاہیئے تعلیم و تعلم کا مقصد حق و صداقت کے ساتھ مطابقت ہے نہ کہ معاشی مطابقت جیسا کہ غلطی سے سمجھا جاتا ہے۔حق کی تلاش ہی صحیح نصب العین ہے۔

(iv) تعلیم زندگی کی نقل نہیں بلکہ محض اس کی مناسب تیاری کا نام ہے۔تعلیمی ادارے مخصوص کام کے لئے وجود میں آئے اور وہ ہے بچے کو علم دینا۔عملی زندگی بعد کی بات ہے۔سکول میں عملی مشاغل کی بجائے نظری امور پر زور دینا چاہیئے۔

(v) دائمی اقدار والے مضامین کا پڑھنا نہایت ضروری ہے۔بعض مضامین عقل کی نشوونما کے لئے نہایت موزوں ہیں اور وہی طلبہ کو عظیم صداقتوں سے آشنا کرا سکتے ہیں۔وہ آزاد فنون ہیں جو تاریخی لحاظ سے سات مضامین پر مشتمل ہیں جن کی جدید فارم انگریزی، دیگر زبانیں، تاریخ، ریاضی، فطری علوم، فلسفہ اور فنون لطیفہ ہے۔ٹیکنیکل اور پیشہ ورانہ مضامین تدریس کے لائق نہیں۔ہاں اگر انہیں بھی کسی طرح فکری و عقلی بنایا جا سکے تو کسی حد تک شامل نصاب کئے جا سکتے ہیں۔تاہم پیشہ ورانہ اعمال و افعال سے مدرسے کو بچنا چاہیئے۔

0344-5515779, 03005371884,

سوال نمبر:۳ **اسلام کی پہلی دو صدیوں میں تعلیم کی ترقی کس طرح ہوئی؟**

051-2285833, 2285733

جواب: **اسلام کی پہلی دو صدیوں میں تعلیم کی ترقی:**

اعہد نبوی میں اسلامی نظام تعلیم کی بنیاد پڑی پہلا تعلیم مرکز مسجد نبوی تھا صفہ کی درسگاہ یہیں واقع تھی اس درسگاہ میں تعلیم کا کام کرنے والوں کی تاریخ نے اصحاب صفہ کے نام سے یاد رکھا اس میں حضرت ابن مکتوم مصعب بن عمیر، معاذ بن جبل، عمرو بن ہرم، خبیب بن عری، عام بن ثالث، عبداللہ بن مسعود، سالم اور ابی بن کعب رضوان اللہ اجمعین جیسی بلند ہستیاں شامل تھیں۔

سلام کی پہلی دو صوبوں میں تعلیمی ترقی کو تین ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

۱۔ خلفائے راشدین کا دور

۲۔ بنو امیہ کا دور

۳۔ عباسی دور

خلفائے راشدین کا دور

خلفائے راشدین کے دور میں اسلام عرب کی حدود سے باہر پھیل گیا شام، فلسطین، عراق، ایران، اور مصر اس عہد میں فتح ہوئے فتوحات کا سیلاب مغرب میں مصر سے آگے مغربی افریقہ اور ہسپانیہ کی جانب بڑھ رہا تھا جب کہ مشرق میں وہ برصغیر پاک و ہند کی سرحدوں کو چھوڑ رہا تھا دنیا کہ اس مرکزی وسیع خطے میں مختلف اقوام آباد تھیں جن کے مذہبی عقائد،

نشاط ایجوکیشن
نشاط ایجوکیشن
نشاط ایجوکیشن
نشاط ایجوکیشن

زبانیں معاشرت، اور کلچر مختلف تھے اسلامی فتوحات کا مقصد محض رقبہ ارض پر قبضہ نہیں تھا اور نہ ہی ان علاقوں کے قدرتی اور مادی وسائل پر تعرف حاصل کرنا تھا۔ اصل مقصد خدا تعالٰی کی وحدت اور رسالت کے نظریات کے تحت انسانی معاشرے میں ایک انقلاب برپا کرنا تھا جس کیلئے نظام تعلیم وتبلیغ کا قیام بے حد ضروری تھا۔ چنانچہ خلافت راشدہ کے دور میں اسلامی تعلیم کے پھیلاؤ کیلئے صحابہ کرام سلطنت کے دور دراز علاقوں میں پہنچ گئے اور وہاں حلقہ ہائے درس قائم کیے۔ بصرہ میں عمران بن حصین، فلسطین میں معاذ بن جبل، مدائن میں عبداللہ بن مسعود، حمص میں عبادہ بن صامت، دمشق میں ابو درداء، شام میں ابوعبدالرحمٰن بن قاسم، مصر میں جبان بن ابن جبلہ، اور مسجد نبوی میں جابر بن عبداللہ رضوان اللہ اجمعین نے تعلیم تبلیغ کے فرائض انجام دیئے۔

اس دور کی اہم ضرورت غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دینا، نومسلموں کو اسلام سکھانا اور اسلامی زندگی کے قواعد وضوابط اور عادات واطوار کی تعلیم دینا تھی یہ کوئی آسان کام نہیں تھا۔

خلافت راشدہ کے عہد میں نصاب تعلیم قرآن حدیث اور فقہ پر مشتمل تھا ان کے علاوہ ان جسمانی ریاضیوں اور عسکری فنون کی تعلیم بھی ہوتی تھی۔ جن کا اہتمام خود رسول اکرمؐ نے اپنے زمانہ مبارک میں فرمایا تھا اور جو تقاضا کے وقت بھی تھے اس دور میں ادب، لغت اور شعر وسخن کی تعلیم بھی دی جانے لگی تھی طریقہ تعلیم قولی اور سماعی تھا مسجدیں درسگاہوں کا کام دیتی تھیں۔ تعلیم کے الگ مکان یعنی مدرسے تعمیر کرنے کا رواج نہیں تھا۔ تعلیم دینے کے کیلئے کسی قسم کا کوئی معاوضہ لیا جاتا تھا۔ مگر حضرت کے زمانے میں معلم کی تنخواہ پانچ درہم مقرر کی گئی اور حضرت علی نے طلبہ کیلئے وظائف مقرر کئے خلافت راشدہ کے دور کی ایک اور تعلیمی اصلاح علم الحدیث کے تحصیل کیلئے دور دراز علاقوں اور شہروں کے سفر کا رواج ہے اس زمانے میں حدیث کا علم رکھنے والے سلطنت کے طول وعرض میں پھیل چکے تھے چنانچہ احادیث جمع کرنے والوں کو ان مقامات کے سفر کرنے پڑتے حضرت ابو درداء نے تعلیم میں ایک اختراع یہ کی کہ دس دس طلبہ کی علیحدہ علیحدہ جماعت بنا کر تعلیم کی درجہ بندی کی بنیاد رکھی۔

خلفائے راشدین کے عہد میں عورتوں کی تعلیم کو نظر انداز نہیں کیا گیا مدینہ منورہ میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کا گھر اس کا مرکز تھا ان کے حلقہ تدریس میں مرد بھی شامل تھے حضرت فاطمہ الزہرہ فن عروض خطابت اور عائشہ بنت طلحہ علم نجوم اور ذوق سخن میں اعلٰی دستگاہ رکھتی ہیں۔

بنوامیہ کا دور۔

قومی دور میں اسلامی فتوحات کا سلسلہ اور وسیع ہو گیا مغربی افریقہ، اندلس سندھ، اور وسط ایشیاء کے علاقوں پر اسلام کا پرچم اس دور میں لہرایا۔ تعلیم وتبلیغ کی ضروریات بڑھ گئیں کیونکہ جو اقوام اہلی پرچم کے زیر نگیں آئیں انہیں اسلامی تعلیمات سے آگاہ کرنا ضروری تھا نیز اسی دور میں مسلمانوں میں قرآن مجید کی آیات کی تشریحات کا آغاز ہوا۔ اموی حکمران نہایت علم دوست اور علم پرور تھے ان کے دور میں کئی نئے علوم کی بنیاد پڑی علوم وفنون کے سلسلے میں زبانی یادداشتوں پر بھروسہ کرنے کی بجائے انہیں صحفہ قرطاس پر منتقل کرنے کا آغاز ہوا۔

احادیث نبوی کی تدوین کی گئی قرآن مجید کی پہلی تفسیر خلیفہ عبدالمالک بن مروان کے حکم سے ابن جبیر نے لکھی حجاج بن یوسف نے جس کا ابتدائی معلمی سے تعلق تھا انہوں نے قرآن مجید پر اعراب لگوائے تصنیف وتالیف وتراجم کا کام شروع ہوا جگہ جگہ کتب خانے قائم ہوئے فن مقامی ومناقبت صحابہ کو باقاعدہ علمی حیثیت دی گئی ابن آثار نے اسی دور میں یونانی طب کی کتابوں کی تراجم کیے حضرت امیر معاویہ کا پوتا شہزادہ اصول لغت اور علم نحو کے قواعد مرتب کیے اموی سلطنت میں بصرہ اور کوفہ علمی مراکز تھے۔

عباسی دور۔

اسلام کی دوسری صدی کے پہلے نصب کے اختتام سے پہلے ہی حکومت کی باگ دوڑ بنوعباس نے سنبھال لی عباسی دور اسلامی تہذیب وتمدن کا سنہری دور تھا عباسیوں کا دارالخلافہ بغداد تھا جسے اسی غرض کیلئے خلیفہ المنصور نے تعمیر کرایا بغداد بہت جلد عروس البلاد بن گیا منصور بذات خود علم ہیئت کا ماہر تھا اس نے اپنی سلطنت میں طب اور قانون کی تعلیم کو فروغ دیا ہارون الرشید کے تہذیبی کارناموں کی شہرت یورپ میں بھی تھی اس کے زمانہ حکومت میں بغداد میں سب سے پہلا میڈیکل کالج قائم ہوا جس کے ساتھ ایک بڑا شفاء خانہ بھی تھا۔

مامون الرشید نے بغداد کو سائنسی تحقیقات کا مرکز بنا دیا عظیم الشان کتب خانے قائم کیے گئے اپنے دربار میں علماء اور فضلاء کو جگہ دی زمانہ حال کے علماء کی نگاہ میں عباسیوں کا ناقابل فراموش علمی کارنامہ بغداد میں دارالحکمہ کا قیام ہے اسلام کی پہلی دوصدیوں میں تعلیم میں جو ترقی ہوئی ان کا مختصر ذکر خلافت راشدہ، بنوامیہ اور عباسی خلافت کے زوال سے پہلے کے ادوار پر محیط ہے اس جگہ اسلام کی پہلی دوصدیوں میں تعلیمی ترقی کے چند اہم پہلوؤں کا اجمالی خاکہ پیش کیا جاتا ہے۔

ابتدائی تعلیم۔

مسلمانوں نے ابتدائی تعلیم اور اعلٰی تعلیم کے درمیان ہمیشہ نمایاں فرق کیا ہے ابتداء میں مکتب اور مدرسہ کی کوئی علیحدہ عمارت نہ تھی مسجد جو ایک کثیر المقاصد ادارہ تھی مکتب اور مدرسے کے طور پر بھی استعمال کی جاتی کسی معلم کا گھر یا نجی عمارت کو اس مقصد کیلئے کام میں نہ لایا جاتا۔

0344-5515779, 03005371884,
051-2285833, 2285733

یحیٰ ابرمکی نے یتیم بچوں کیلئے سکول قائم کئے مشہور شاعر المتنبی نے کوفہ کے امراء کے بچوں کے ساتھ ایک مکتب میں تعلیم حاصل کی تھی ایک شخص نے بغداد میں اسی زمانے میں سکول کھولا جس میں وہ خود ہی معلّمی کے فرائض انجام دیتا تھا اس کے بعد اس کے بیٹے وہیں پڑھانے لگے۔ بعد کے زمانے میں کئی کالج اور مدرسے ایسے تھے جن کے ساتھ یتیم بچوں کے سکول بھی ہوتے تھے طلبہ کو قرآن وحدیث کی تعلیم کے ساتھ بچوں کو پیراکی، سواری، تیراندازی اور دوڑ کر گھوڑے پر سواری کرنا سکھایا جاتا تھا اس کے علاوہ وہ مشہور ضرب الامثال اور عمدہ اشعار حفظ کرتے تھے لڑکیوں کیلئے چرخہ کاتنا ایک عمدہ فن سمجھا جاتا تھا۔ انہیں قرآن مجید خاص کر سورۃ نور کی تعلیم دی جاتی تھی لڑکوں کو باپ کے عموماً مشورہ دیا جاتا ہے تا کہ اس کا پہلا فرض انہیں لکھنا، حساب اور پیراکی سکھانا ہے ان حوالوں سے اندازہ لگانا آسان ہے کہ ابتدائی تعلیم میں بنیادی مہارتیں اور اسلامی علوم سکھانے کے علاوہ تشکیل کردار پر خصوصی توجہ دی جاتی تھی۔

لڑکیوں کی تعلیم۔

جس زمانے کے حالات کا ہم مطالعہ کر رہے ہیں اس میں لڑکیوں کی تعلیم کے حوالے اور واقعات ملتے ہیں اسلام نے بھی لڑکیوں کی تعلیم کو بہت اہمیت دی پہلی دو ہجری صدیوں میں تعلیم کا انتظام ابتدائی تعلیم تک محدود نہیں رکھا گیا بلکہ شائقین علم اور اہل ذوق کیلئے تعلیم جاری رکھنے والے کے مواقع مہیا تھے مدرسہ جو ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کا ادارہ تھا عموماً مسجد سے ملحقہ یا الگ عمارت میں قائم کیا جاتا تھا چنانچہ ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کے طلبہ کی توجہ کا مرکز بنے اس زمانہ میں حساب اقلیدس اور علم کیمیاء کو ہی زماب میں شامل تھے شعر و نحو جو عربی کا قول تھا اسے بھی فروغ ملا اسلام کے زیر نگیں بیرون آبادی کے میل جول سے عربی زبان میں بگاڑ کا خدشہ پیدا ہوا اس لئے لغت، گرام اور عربی محاورہ کے سنجیدہ مطالعہ پر توجہ دی گئی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اسکندریہ سے علم طب کے ایک ماہر کو بلوایا اور اسے انطاکیہ میں طب کی تعلیم پر ماموڑ کیا۔ یہ شخص فلسفی طب بھی وہاں سے آئے ان میں سے ایک مران جا کر پڑھانے لگا۔

درسی کتابیں اور طریقہ تدریس۔

جب ابتداء میں کتابیں کامیاب تھی اکثر تعلیم زبانی دی جاتی تھیں اس چیز نے استاد کی ضرورت واہمیت میں اضافہ کیا عام ضرب المثل تھی۔

"استاد سے غلط چیز سیکھ لینا اپنے طور پر صحیح چیز سیکھ لینے سے بہتر ہے"

دوسری صدی ہجری کے آخر تک یہ تعلیمی نظام مستحکم ہو گیا کتابیں نسبتاً آسانی سے دستیاب ہونے لگیں لیکن استاد کی اہمیت میں کمی نہیں آئی اس کی اہمیت کا بڑی حد تک انحصار اس کے اپنے اساتذہ کی شہرت پر تھا حدیث کے استاد کے متعلق یہ دیکھا جاتا تھا کہ اس نے خود کس پایہ کے عالم سے علم حدیث سیکھا ہے۔

اساتذہ کی علمی قابلیت۔

0344-5515779, 03005371884,

اس دور کے اساتذہ اپنی وسعت علم کیلئے مشہور تھے وہ عموماً قرآن و لغت، احادیث عروض حساب، تقسیم ترکہ، قانون دستاویزات اور امور میں ماہر تھے ایک عالم کے متعلق لکھا ہے کہ وہ ان علوم کے علاوہ ایام ابرجال اور راویان حد کے سوانح حیات میں بھی مہارت رکھتے تھے عربی زبان میں عبور اور اس کے استعمال میں سے مہارت نامہ استاد کی نہایت اہم خوبی شمار ہوتی تھی درس و تدریس کا پیشہ اختیار کرنے والے سالہا سال تک مشہور اساتذہ کی شاگردی کرتے ایک شخص نے امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کی بیس سال تک شاگردی کی۔ مشہور عالم ثعلب نے اپنے استاد سے دس سال تک پڑھا اور ان کے شاگرد نے ان سے چالیس سال تک اکتساب علم کیا ثعلب کی وفات کے بعد وہ ان کا جانشین بناء۔ نائب معلم۔ زبانی تدریس میں جب طلبہ کا مجمع بڑھ جاتا جیسا کہ ناموراساتذہ کے لیکچروں میں اکثر ہوتا تھا تو استاد کی آواز سب حاضرین تک پہنچانا مشکل ہو جاتا تھا مستملی استاد کے الفاظ کو دہراتا تا کہ سب صاف سن لیں جب حاضرین کی تعداد اور زیادہ ہو جاتی تو ایک سے زائد مستملی اس خدمت پر مامور تھے ایک محدث کے متعلق کے لکھا ہے کہ ان کے درس وحدیث میں تیس ہزار کا مجمع ہوتا تھا اور 316 مستملی ان کے الفاظ دہرانے پر مامور تھے پانچویں صدی ہجری تک مستملی تعلیم میں ایک مسلمہ عہدہ بن چکا تھا۔

051-2285833, 2285733

سوال نمبر:۴ **مسلمانوں کی تعلیمی تحریک پر تفصیل سے نوٹ لکھیں۔**

جواب۔ مسلمانوں کی تعلیمی تحریکات:

مسلمانوں کی تعلیمی تحریکات میں چار رجحان زیادہ نمایاں نظر آتے ہیں۔

1۔ پہلا رجحان برطانوی نظام تعلیم سے مکمل عدم تعاون اور مسلمانوں کے تعلیمی نظام کے تحفظ کی کوشش کی اس کا نمائندہ ہے دارالعلوم دیوبند۔

2۔ دوسرا رجحان انگریزی تعلیم کو بحیثیت نظام کے تقریباً پورے طور پر قبول کر لینا اور جزوی ترمیمات کے ساتھ اسے مسلمانوں میں فروغ دینا ہے اس کا نمائندہ علی گڑھ کالج تھا۔

3۔ تیسرا رجحان دیوبند اور علی گڑھ دونوں سے عدم اطمینان ہے اور اس کی نمائندگی ندوۃ العلماء لکھنو کرتا ہے۔

4۔ چوتھا رجحان پہلی جنگ عظیم کے بعد رونما ہوا یہ ان تینوں تحریکات کو قومی ضروریات کیلئے ناکافی سمجھتے ہوئے تعلیم کو قومی رنگ دینا چاہتا تھا اس کا نمائندہ جامعہ اسلامیہ دہلی ہے۔

ان کی تفصیلات درج ذیل ہیں۔

دارالعلوم دیوبند۔

یہ مدرسہ 30 مئی 1867ء کو مولانا محمد قاسم نانوتوی کے ہاتھوں دیوبند ضلع سہارنپور میں قائم ہوا۔ 9 سال مدرسہ بالکل ابتدائی حالت میں رہا۔ 1876ء میں نئی تعمیرات کے بعد آہستہ آہستہ ایک بڑے دارالعلوم اور علمی مرکز میں تبدیل ہو گیا۔

1۔ اس ادارہ کا اصل مقصد دینی تعلیم کے ایک مرکز کا قیام تھا یہاں درس نظامیہ کو تعلیم کی بنیاد بنایا گیا۔ تعلیمی پروگرام نو سال کا تھا۔ دینی تعلیم کے تحفظ کے ساتھ ساتھ پیشہ ورانہ تعلیم کا انتظام بھی کیا گیا۔ مثلاً علم طب ایک تکمیلی مضمون کی حیثیت سے شامل کیا گیا اس کے علاوہ خطاطی، جلد سازی، کپڑا بننا اور سینا پرونا وغیرہ۔ مہارتوں کی ابتدائی تعلیم کا بھی بندوبست کیا گیا تاکہ دیوبند کا تعلیمی نظام مسلمانان ہند کی تعلیمی اور معاشی ضرورتیں پوری کر سکے لیکن تعلیم کا یہ پہلو ترقی نہ پا سکا۔ اور تعلیم صرف درس نظامی تک محدود رہی۔

2۔ دیوبند کی نہایت اہم خصوصیت اس کی آزادی تھی مولانا محمد قاسم اپنے ان اصولوں میں جو انہوں نے دیوبند کیلئے مرتب کئے تھے دینی پہلو کے بعد سب سے زیادہ اہمیت اور ضمیر کی آزادی اور حکومت اور امراء کی گرفت سے اس ادارہ کو آزاد رکھنے پر دیتے ہیں حکومت وقت سے لاتعلقی اس مدرسے کا بنیادی اصول پایہ۔ تمام تر انحصار عوام کے تعاون اور چندہ پر رکھا گیا اس کا فائدہ یہ ہوا کہ ہزاروں مسلمان مدرسہ سے وابستہ ہوئے۔

3۔ اس ادارہ کی ایک اہم خصوصیت اس کا نظام مشاورت ہے ماضی میں ہندوستان میں جو دینی مدارس تھے ان میں سالار انتظام ایک فرد یا خاندان کا ہوتا تھا لیکن دیوبند اس صحت مند روایت کا بانی ہے کہ سارے انتظامی امور کو ایک مجلس شوریٰ کے سپرد کیا گیا۔ اور انتظامی امور کی انجام دہی کیلئے ایک مہتمم مقرر کیا گیا۔

4۔ دیوبند کا تعلیمی نظریہ عوامی تعلیم کا نظریہ تھا اس نے غریب طبقہ کیلئے تعلیم کا انتظام کیا اور بری یا بھلی جو بھی تعلیم دی وہ عوامی زندگی سے مربوط اور ہم آہنگ رہی یہاں کے فارغ التحصیل ملک کے گوشے گوشے میں پھیل گئے اور انہوں نے کم از کم بنیادی دینی تعلیمات کو زندہ رکھا جس کی مسلمان معاشرت کو بہت ضرورت تھی۔

5۔ دیوبند اصلاحی تحریک کا مرکز بھی رہا حضرت شاہ اسماعیل شہید نے غلط رسومات و بدعات کیخلاف جو جدوجہد شروع کی تھی دیوبند نے اسے جاری رکھا اسی طرح عورت کے حق وراثت اور نکاح بیوگان کے بارے میں دیوبند نے مثبت اصلاحی کام سرانجام دیا دینی امور میں لوگوں کی رہنمائی کیلئے دارالافتاری قائم کیا جس نے ملک اور بیرون ملک مسلمانوں کی قابل قدر خدمات سرانجام دیں مولانا محمود الحسن نے قرآن کریم کا اردو میں ترجمہ کیا۔

6۔ دیوبند انگریزوں کیخلاف سرگرمیوں کا ایک بڑا مرکز رہا یہاں کے فارغ التحصیل طلبا اور اساتذہ نے آزادی کی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا لیکن یہ ایک تاریخی سانحہ ہے کہ ہندوستان کے اس عظیم ترین دینی مرکز نے تحریک پاکستان کی مخالفت کی اور ہندو کانگریس کے ساتھ مل کر متحدہ قومیت کے تصور کا پرچار کیا۔

7۔ دیوبند نے جو نصاب رائج کیا وہ نئے دور کی ضروریات کو پورا نہ کر سکا اس نصاب میں نہ تو پورے قرآن پاک کے مطالعہ کو اور نہ حدیث کے مطالعے کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ مسلمانوں کی تاریخ کو اس میں کوئی اہم مقام حاصل نہیں سالا زور صرف و نحو پر ہے۔ اور دیوبند کی تحریک نے مسلمانوں کی ایک بہت بڑی ضرورت کو پورا کیا اور اسلام کے علوم اور روایات کو روشن رکھا اور آج بھی دینی مدارس میں یہ خدمت جاری ہے۔

<u>علی گڑھ تحریک:</u>

دیوبند کی تعلیمی تحریک جہاں پر انگریزی تعلیم کے ساتھ مکمل عدم تعاون کے رجحان کا نمائندہ ہے اس کے بالمقابل علی گڑھ کی تعلیمی مصالحت اور مفاہمت کی مظہر ہے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد مسلمانوں نے یہ محسوس کر لیا تھا۔ کہ انگریز وصرف ان کے تعلیمی نظام کو ہی ختم نہیں کر رہے بلکہ ان کی کوشش یہ ہے کہ سیاسی، معاشی اور اخلاقی حیثیت سے مسلمانوں کی کمر توڑ دیں۔ ان نامساعد حالات میں ایک راستہ تو دیوبند نے اختیار کیا اور اپنے ماضی سے رشتہ توڑنا گوارا نہ کیا۔ لیکن کچھ دوسرے حضرات نے صورت حال پر کچھ اسی نقطہ نظر سے غور کیا کہ مسلمان اپنے آپ کو انگریزوں سے لڑ کر نہیں بلکہ مل کر بچا سکتے ہیں۔ وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ مسلمانوں کو ایک نہیں دو دشمنوں (انگریزوں اور ہندوؤں) سے نمٹنا ہے اس لیئے یہ لڑائی بیک وقت نہیں لڑی جا سکتی۔

مسلمانوں کے لئے صحیح راستہ یہ ہے کہ وہ انگریزوں سے وفاداری کا تعلق قائم کریں۔ انگریزی تعلیم حاصل کر کے ملازمتیں حاصل کریں۔ نئے حالات میں وہ اپنے آپ کو بدلے بغیر چل نہیں سکتے۔ اس نئے رجحان کے سب سے بڑے علمبردار سرسید احمد خان تھے۔ جنہوں نے ۲۴ مئی ۱۸۷۵ء کو علی گڑھ میں ایک ہائی سکول قائم کیا۔ جو ۱۸۷۷ء

نشاط ایجوکیشن
0344-5515779, 03005371884,
051-2285833, 2285733

میں کالج بن گیا۔جس نے قومی ترقی اور قومی اتحاد کے لیئے بڑی گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔

علی گڑھ کی خصوصیات:

1۔ علی گڑھ انگریزوں کے نظام تعلیم اور اس کی ہیئت کو قبول کر کے اس کے اندر مسلمانوں کی تعلیم کے لیے گنجائش پیدا کرنے کی کوشش ہے اس میں ایک طرف مغربی تعلیم کو من وعن سے لیا لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس میں مسلمانیت کا اضافہ کرنے کے لئے دنیات کا ایک پریڈ رکھا گیا۔اور ہوسٹل میں نماز، روزے اور دوسرے اسلامی شعائر کے لیے سہولتیں دی گئیں۔

2۔ یہ ادارہ رہائشی بنیادوں پر قائم کیا گیا۔اس کا اثر یہ ہوا کہ یہ ادارہ اپنے طلبہ کا ایک مخصوص مزاج بنانے میں کامیاب ہوگیا۔

3۔ یہ تعلیمی ادارہ مسلمانوں میں عام تعلیم پھیلانے کے لیئے نہیں معقول طبقہ کے بچوں کی تعلیم کے لیئے قائم کیا گیا تھا۔تعلیم کے لیے فیس وصول کی جاتی اور رہائشی ہونے کی وجہ سے صرف وہی لوگ اپنے بچوں کو بھیج سکتے تھے جو تعلیم کے اخراجات برداشت کر سکتے تھے۔یہ مسلمانوں کے نظام سے ایک انحراف تھا۔

4۔ اس ادارہ میں اس بات کی بھی کوشش کی گئی کہ انگریز پرنسپل اور انگریز اساتذہ رکھے جائیں۔جن کا مقصد شاید انگریزوں کو اپنی وفاداری کا یقین دلانا تھا۔لیکن مغربت کی روطلبہ میں

تیزی سے سرایت کرتی چلی گئی۔

علی گڑھ کے اخراجات حکومت کی گرانٹ، مسلمانوں کے معقول طبقہ کے چندے اور طلبہ کی فیسوں سے پورے ہوتے تھے۔شروع میں اس ادارے کا انتظام کالج کمیٹی کے ہاتھ میں تھا۔جس کے سیکرٹری سرسید تھے۔۱۸۸۹ء میں سرسید نے ایک ٹرسٹی بل تجویز کیا۔وفات کے بعد تھوڑی دیر ان کے لیئے سید محمود نے سیکرٹری کے عہدہ پر کام کیا لیکن ٹرسٹیوں کے اتفاق رائے سے سید مہدی علی نواب محسن الملک کو سرسید کا جانشین مقرر کیا۔نواب محسن الملک کے بعد مولوی مشتاق حسین اور پھر نواب وقارالملک سیکرٹری منتخب ہوئے۔علی گڑھ تعلیمی تحریک کا نقیب ثابت ہوا۔اسی طرح علی گڑھ کے طرز پر مسلمانوں کے مزید ادارے قائم ہوئے۔

علی گڑھ کا تاریخی کردار:

1۔ علی گڑھ دورجدید میں مسلمان قوم کا سب سے بڑا محسن ادارہ ہے جب سرسید نے اپنی قومی زندگی کا آغاز کیا اس وقت مسلمان بکھرے ہوئے تھے۔تعلیمی، معاشرتی اور سیاسی حیثیت سے بے وقار تھے۔اور روز بروز مزید خفیف ہو رہے تھے۔ان کا کوئی مرکز نہ تھا۔کوئی لائحہ عمل نہ تھا۔سرسید نے علی گڑھ کے ذریعے مسلمانوں میں نئی زندگی پیدا کر دی جن حیثت القوم انہیں اکٹھا کیا اور ہندوستان میں اسلامی قومیت اور دوقومی نظریے کا نعرہ بلند کیا۔جو بالآخر قیام پاکستان کا سبب بنا۔

2۔ معاشی لحاظ سے مسلمانوں کے لیئے ملازمتوں کے حصول اور روزگار کے دوسرے مواقع کے حصول میں علی گڑھ کا بڑا حصہ ہے۔مسلمانوں کے لیئے معاشی ترقی کے دروازے بالکل بند ہوگئے تھے۔اس نئی تعلیم کی وجہ سے پھر ایک حد تک کھل گئے اور اس نے مسلمانوں کو دوبارہ قدم جمانے کا موقع دیا۔

3۔ علی گڑھ ایک نئی ادبی تحریک کا بانی ہے۔جس کی سب سے بڑی خوبی آسانی اور عام فہم اسلوب بیان ہے۔اردو ادب کا نیا آہنگ بڑی حد تک علی گڑھ کا مرہون منت ہے اور یہ اس کی عظیم ترین خدمات میں سے ہے۔

۔ مسلمانوں کی گزشتہ ۵۰ سال کی قیادت علی گڑھ نے فراہم کی۔

علی گڑھ ہماری تاریخ کا اہم باب ہے۔جن مجبوریوں اور مشکلات میں علی گڑھ کا قیام عمل میں آیا دور اسی تحریک کا آغاز ہوا۔اور حالات کے دباؤ نے اس کا جو مزاج بنایا اس سے اختلاف تو کیا جا سکتا ہے۔اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔علی گڑھ نے قوم کو جس رنگ میں رنگا وہ مذہبی نہ تھا۔۔بلکہ فی الحقیقت یہ ایک تعلیمی، ادبی اور کلچرل تحریک تھی اس کا اولین مقصد قوم کی دینوی پستی کو دور کرنا تھا۔مذہبی احیاء کا مطمع نظر یہ تھا اس لیے علی گڑھ سے فارغ التحصیل طلبہ پر مذہبی رنگ خاص طور پر نمایاں نہیں۔

ندوۃ العلماء لکھنو۔

جدید اور قدیم کی کش مکش نے بہت سے ذہنوں کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا اور نئے دور میں دیوبند اور علی گڑھ میں سے کوئی بھی حالات کا مقابلہ کرنے کیلئے کافی نہیں اور وقت کی بہت بڑی ضرورت جدید اور قدیم کا امتزاج ہے ندوۃ العلماء قدیم نظام تعلیم کو جدید دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کا نام ہے۔

اپریل 1892ء میں مدرسہ فیض عام کانپور میں علماء کی ایک کانفرنس ہوئی جس میں تعلیمی مسائل کا جائزہ لے کر یہ طے کیا گیا کہ مسلمانوں کی بہت بڑی تعلیمی ضرورت پر اے نظام تعلیم کی اصلاح ہے شروع میں کوشش کی گئی کہ تمام اسلامی مدارس ایک نئے نصاب پر متفق ہو جائیں لیکن جب اس میں کامیابی نہ ہوئی تو نئی اصلاحات کو عملی جامہ پہنانے

0344-5515779, 03005371884,
051-2285833, 2285733

کیلئے 1894ء میں لکھنو میں ندوۃ العلماء قائم کیا گیا ندوۃ کے بانیوں میں شبلی نعمانی مولوی محمد علی اور مولانا عبدالحق دہلوی وغیرہ شامل تھے۔

ندوۃ کی خصوصیات یہ ہیں۔

1۔ ندوۃ کی اولین خصوصیات درس نظامیہ کی اصلاح ہے نئے نصاب میں تفسیر اور حدیث کو مناسب مقام دیا گیا لیکن صرف ونحو منطق، اور فلسفہ کو کمتر اہمیت دی گئی ہے عربی زبان کی تعلیم ایک زندہ زبان کی طرح دی جانے لگی جدید علوم انگریزی زبان کو بھی شامل نصاب کیا گیا۔

2۔ علماء کے باہمی نزاع اور اختلافی مسائل سے امتزازی رویش اختیار کی اور اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ تلاش کرنے کی کوشش کی گئی۔

3۔ ندوۃ نے تعلیم کے ساتھ ساتھ علمی تحقیق کی روایت کو جاری رکھا دارالمصیفن اعظم گڑھ نے جو عظیم خدمت اسلامی علوم کی ہے۔ وہ ندوۃ العلما کی ہی وجہ سے ممکن ہوئی۔

ندوۃ مجموعی طور پر قومی زندگی میں کوئی موثر حصہ ادا نہ کرسکا دیوبند کو اور علی گڑھ کو جو مقبولیت اپنے اپنے حلقوں میں حاصل ہوئی وہ ندوۃ کو حاصل نہ ہو سکی ندوۃ نے جدید تعلیم کا اضافہ تو ضرور کیا لیکن اس کا حصہ اتنا کم تھا کہ ندوۃ کے طلبہ مغربی علوم سے پوری طرح استفادہ نہ ہو سکے۔

جامعہ ملیہ اسلامیہ۔

پرانی تعلیم کو نئے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش ندوۃ ہے تو نئی تعلیم میں پرانی تعلیم کی کچھ خصوصیات کو زندہ کرنے کی سعی جامعہ ہے خلافت اور عدم تعاون کی تحریکوں نے قومی تعلیم کی تحریک کو جنم دیا چنانچہ مسلمانوں کے تعلیمی اداروں کو سرکاری گرانٹ اور سرکاری تعلقات سے آزاد کرانے کی کوشش شروع ہوئی۔

مولانا محمد علی گڑھ گئے بہت سے طلباء ان کے ہم خیال تھے لیکن جو طلباء ان کی حمایت میں کالج سے علیحدہ ہوتے تھے انہیں لے کر انہوں نے 1920ء میں علی گڑھ میں جامعہ ملیہ اسلامیہ قائم کیا۔ جو 1925ء میں دہلی منتقل ہو گیا جہاں حکیم اجمل اور ڈاکٹر انصاری کی مدد سے جامعہ نے خوب ترقی کی جامعہ کی خصوصیات یہ ہیں۔

1۔ جامعہ نے لادینی Secular تعلیم کو بنیادی طور پر غلط قرار دیا اس طرح سیکولر تعلیم میں محض دینیات کے اضافہ کو بھی ناکافی سمجھا اس کے بانیوں نے یہ تصور پیش کیا کہ تعلیم کو جدید علوم اور دینی علوم کا جامع ہونا چاہئے اور طالبعلموں کو بیک وقت دونوں سے مہارت حاصل ہونی چاہئے اس لئے دین کی معقول تعلیم کا تقریباً ہر مرحلہ پر انتظام کیا گیا قرآن پاک اور سیرت نبوی کے مطالعہ کو جزو نصاب بنایا گیا ہے عربی تعلیم کو لازمی قرار دیا گیا اردو کو انگریزی کی جگہ ذریعہ تعلیم بنایا گیا۔

2۔ جامعہ کی امتیازی خصوصیات اساتذہ کی ایثار وقربانی ہے اعلیٰ سے اعلیٰ صلاحیت کے اساتذہ نے نہایت معمولی مشاہروں پر خدمات انجام دیں نہایت سادہ زندگی بسر کی اور اس طرح

نہ صرف مسلمان اساتذہ کی روایت کو قائم کیا بلکہ اپنے طلبہ کیلئے بھی سادگی اور کفایت شعاری کا عملی نمونہ پیش کیا۔

0344-5515779, 03005371884,

3۔ جامعہ کی ایک اور اہم خصوصیت صنعت وحرفت کی تعلیم ہے جامعہ مسلمانوں کا جدید تعلیم کا وہ واحد ادارہ ہے جس نے سرکاری ملازمت کو اپنے طلبہ کو نصب العین نہیں بنایا بلکہ دستکاری

کو طلبہ کیلئے حصول معاشرہ کا ذریعہ بنایا۔

051-2285833, 2285733

4۔ جامعہ کی ایک اور خصوصیت یہاں کی علمی زندگی ہے جامعہ کی اردو اکیڈمی نے بہت سی قابل ذکر کتابیں شائع کیں تعلیمی ریسرچ میں جامعہ کے اساتذہ نے بڑا کام کیا ہے۔

جامعہ مختلف حیثیتوں سے ایک کامیاب تجربہ رہا لیکن یہ مسلمانوں کی قومی زندگی پر اپنے اثرات مرتب نہ کرسکا جامعہ ملیہ اسلام کے نام سے یہ قائم ہونے والا یہ ادارہ عملاً جامعہ قومیہ

ہندیہ بن کر رہ گیا۔

سوال نمبر:5 علامہ اقبال کی نظر میں مقاصد تعلیم کے حوالے سے جامع نوٹ تحریر کریں۔

جواب: علامہ اقبال کی نظر میں مقاصد تعلیم:

علامہ اقبال مقصد کو بہت زیادہ اہمیت دیتے تھے۔ ان کے نزدیک نصب العین بلند بھی ہو اور حسین وجمیل بھی۔ وہ سحر کی طرح تابناک اور آسمان سے بلند تر ہو۔

مقصدے مثل سحر تابندہ　　　ماسوی را آتش سوزندہ

مقصد سے از آسمان بالاتر　　　　دلربا دلستانے دلبرے

۱۔ **انفرادی خودی کی بیداری اور استحکام:**

تعلیم کی بدولت انفرادی خودی میں بیداری و استحکام پیدا ہوتا ہے ۔جس سے فرد اپنی جسمانی، ذہنی اور روحانی قوتوں کی صحت مندانہ اور بھرپور نشوونما کر سکتا ہے ۔

۲۔ **اجتماعی خودی کی تعمیر:**

افراد مٹ جاتے ہیں ۔مگر قوم اپنی اجتماعی خودی کی بدولت برقرار رہتی ہے ۔اس لیئے قومی خودی کی حفاظت و تعمیر کے لیئے تعلیم ضروری ہے ۔

۳۔ **اسلامی تہذیب کا احیاء:**

علامہ کی نظر میں اسلامی تہذیب کی درخشندہ روایات اور اصول و قوم سے مسلمان قوم کو بے پناہ قوت حاصل ہو سکتی ہے ۔

۴۔ **تسخیر فطرت:**

فطرت قوت کا زبردست سرچشمہ ہے اس پر غلبہ پانا چاہیئے جو قوم کائنات کی قوتوں کو تسخیر کرے گی وہی عزت و اقبال پائے گی ۔

۵ اقبال تعلیمی عمل کو متحرک و فعال دیکھنا چاہتے ہیں ان کے نزدیک تعلیم تو زندہ، تنقیدی اور تخلیقی عمل ہے معلومات کی جمع و ترتیب، پھر ان کا تجزیہ و تحلیل اور اس کے بعد نتائج اخذ کرنا اور اخذ شدہ نتائج کی چھان پھٹک کر کے قبول کر لینا یہ سب مراحل زندہ تعلیمی عمل کے اجزائے ترکیبی ہیں ۔

۶۔ اقبال نوجوان کی تو تعلیمی سفر کے ذریعے پہلی کے چاند کی طرح منزلیں طے کرنے کا مشورہ دیتے ہیں ۔

۷۔ اگر تیری صلاحیتیں بیدار ہو جائیں ۔اور تو علمی کاوش کے انداز بھی سیکھ لے تو علم و ہنر کی ہزاروں راہیں کھل سکتی ہیں ۔

ہزار چشمہ ترے سنگ راہ سے پھوٹے

خودی میں ڈوب کر ضرب کلیم پیدا کر

۸۔ افراد اپنے اندر اعلیٰ انسانی اوصاف پیدا کر کے مروب اور متواضع بن سکتا ہے ۔

۹۔ اشیاء و حقائق کو دوسروں کے نقطہ نظر سے مت دیکھ اپنا نقطہ نظر پیدا کر اگر تو ایسا کرے تو فلک الافلاک بھی تیرے غور و فکر سے جگمگا اٹھیں ۔

دیکھے تو زمانے کو اگر اپنی نظر سے

افلاک منور ہوں تیرے نور سحر سے

0344-5515779, 03005371884

۱۰۔ اقبال کے نزدیک معلم کا فریضہ صرف معلومات مہیا کرنا نہیں وہ معمار انسانیت ہے ۔جس کا کام انسانوں کی روحانی و اخلاقی تربیت کرنا ہے ۔

۱۱۔ مسلمان معلم کو اپنے زمانے کا امام ہونا چاہیے ۔علمی قیادت کا اہم فریضہ ہے ۔

۱۲۔ معلم کو تعلیم کی ترویج کے لیئے ہمہ وقت کوشاں رہنا چاہیئے ۔اسے جدید دور کے تقاضے پورے کرنے کے لیئے آگے بڑھنا ہوگا ۔

051-2285833, 2285733

۱۳۔ علامہ کا کہنا ہے کہ جو بھی قدرت کی صلاحیتوں کو پہچان لے اور اجیتی عمل میں سے آئے وہ طاقتور بن جاتا ہے ۔چاہے پیدائشی طور پر کمزور رہی ہو ۔یہ مقصد وہ تعلیم سے حاصل کر سکتا ہے ۔

۱۴۔ عورتوں کی تعلیم کے بارے میں اقبال نہ تو جدید مغربی تعلیم کے حق میں ہیں ۔نہ قدیم طرز کی گھریلو دینی تعلیم اور نہ ہی جدید مغربی تعلیم میں معمولی پیوند کاری کے حامی ہیں ۔

۱۵۔ عورتوں کی تعلیم کسی مرحلہ پر بھی دینی تعلیم سے جدا نہ ہو پرائمری سے اعلیٰ تعلیم تک دینی مدارس کی روح جاری و ساری رہے ۔

۱۶۔ علامہ عورتوں کی آزاد اور غیر مخلوط یونیورسٹی کے حامی ہیں ۔ان کی علمی ترقی پر کوئی قید نہیں لگاتے ۔

۱۷۔ ہر وہ علم جو عورت کا سفر انتہا کی نفی کرے یا اسلام کے اصولوں سے برگشتہ کرے ,اسے عورتوں کے نصاب سے خارج کر دیا جائے ۔

۱۸۔ جدید مغربی تعلیم نے افراد کی تعمیر سیرت میں کوئی مفید کردار ادا نہیں کیا ۔فرد کی اعلیٰ صلاحیتوں کو نکھارنے کی بجائے اس کے ادنیٰ جذبات کو ابھارا ہے ۔

۱۹۔ زمانے کی ترقی کا دار و مدار روشن خیالی پر ہے ۔مگر حق موجہ غیر ذمہ دارانہ سوچ پریشان خیالی سے سوا کچھ نہیں ۔

نشاط ایجوکیشن
نشاط ایجوکیشن
نشاط ایجوکیشن
نشاط ایجوکیشن
نشاط ایجوکیشن